اس کے باوجود بادہ خوری، اور فسق و فجور کے دُوسرے کاموں سے بھی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان سے اگر کہا جائے کہ اگر ثبوت کا تصور صحیح نہیں ہے تو نماز پڑھنا کیا ضرور ہے؟ تو اس پر یہ کہتے ہیں کہ اس سے تھوڑی سی ورزش ہو جاتی ہے۔ اس کا یہ بھی فائدہ ہے کہ عوام کے ساتھ ربط قائم رہتا ہے۔ اور اس طرح مال و دولت اور بال بچے ان کی زد سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان میں کے بعض کہتے ہیں کہ شریعت و نبوت برحق ہے۔ لیکن جب یہ پوچھا جاتا ہے، کہ پھر شراب خوری کی وجہ جواز کیا ہے؟ تو کہتے ہیں کہ شراب اس وقت ناجائز ہے جب کوئی شخص پی کر بدمست ہو جائے اور اخلاقی حدود کا خیال نہ رکھ سکے میرے لئے اس بنا پر جائز ہے کہ میں اپنے حکیمانہ ذوق کی وجہ سے قرینے سے بقدر ضرورت پیتا ہوں، علاوہ ازیں اس کا یہ فائدہ بھی ہے کہ اس سے ذہن و فکر کی صلاحیتیں بڑھتی ہیں اور دماغ میں تیزی آتی ہے۔

ابن سینا کی وصیت اور تو اور ابن سینا کو دیکھئے، اپنی وصیت میں اللہ تعالیٰ سے شرائع کی پیروی و احترام کا عہد کرتا ہے، اور کہتا ہے

اور شراب نوشی کہ آئندہ تکاسف دینیہ کا پورا پورا خیال رکھوں گا لیکن شراب خوری کو مستثنیٰ ہی رہنے دیتا ہے، زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں جو احتیاط برتتا ہے وہ یہ کہ اب جو شراب پیونگا تو لہو و لعب کی خاطر نہیں بلکہ محض دوا و شفا کی خاطر۔ یہ ہے اس ڈھنگ کے فلسفیوں کا درجہ ایمانی، اور مرتبہ عمل، کہ التزام شریعت کے اقرار کے بعد بھی ام الخبائث کو چھوڑ دینے پر تیار نہیں۔ اسی طرح کے خیالات واہیہ سے سادہ لوح مسلمان اکثر ان کے دھوکہ میں آجاتے ہیں۔ ہمارے نزدیک ان کے دام تزویر میں آجانے اور مات کھا جانے کی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے کہ جو لوگ ان پر معترض ہوتے ہیں وہ انکی سیرت و کردار اور ایمان و عقیدہ کی کمزوریوں کو بیان کرنے کی بجائے انکے علوم جیسے ہندسہ یا منطق پر اعتراضات وارد کرنے شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ ان علوم کی تحصیل فی نفسہ ضروری ہے۔

نشر علوم کی طرف دوبارہ رجوع میں نے جب ان حالات کو بچشم خود دیکھا، اور محسوس کیا کہ لوگوں میں مندرجہ بالا اسباب کی بنا پر گمراہی پھیل گئی ہے، ان کے ایمانوں میں فتور آگیا ہے اور عمل کے دواعی کمزور ہو گئے ہیں، تو میں نے سوچا کہ کیوں نہ اصلاح احوال کی طرف توجہ کی جائے، جبکہ دل کا اصرار بھی اسی بات کا متقاضی تھا۔ اور یہ امر میرے لئے کچھ دشوار بھی نہ تھا، کہ ان کے عقیدہ و عمل کی کمزوریوں کو کھول کر بیان کروں، کیونکہ میں حکماء و فلسفیوں کے علوم و فنون خوب پڑھے ہوئے تھا۔ بنو دغلط صوفیاء کے تلبیسات کو بھی اچھی طرح سے جانتا تھا۔ تعلیمیہ کے عقائد بھی مجھ سے چھپے ڈھکے نہ تھے۔ اور نام نہاد علماء کی بدکرداریوں کو بھی آزما چکا تھا ——— دل نے کہا، کہ اٹھو اور خلق خدا کی اصلاح و ہدایت کا بیڑہ اٹھاؤ۔ آخر کب تک خلوت و عزلت میں رہو گے، اور ذکر و فکر کی لذتوں سے باہر نہیں آؤ گے، جبکہ ایک دُنیا گمراہ ہو رہی ہے اور بیماری نے ان لوگوں پر بھی قابو پالیا ہے، جن کو کہ طبیب یا چارہ ساز ہونا چاہیئے تھا۔ ایک خیال یہ آتا کہ تو کس طرح، ان تاریکیوں کو اُجالے سے بدل سکے گا، جب کہ یہ دَور ہی ظلمت و تاریکی کا ہے اور دین میں تساہل روا رکھنے کو مطلق معیوب خیال نہیں کیا جاتا۔ تو اگر ان کو حق کی طرف بلائیگا بھی تو یہ ماننے والے کب ہیں، بلکہ الٹا تیرے دشمن ہو جائینگے، اور وہ وہ ستائینگے کہ زندہ رہنا مشکل ہو جائے گا۔ اصلاح و ہدایت کا کام تو اسی وقت انجام پا سکتا ہے، جب وقت اس کے لئے ساز گار ہو، اور بادشاہ دیندار اور قاہر ہو۔ جو اس کام کی حوصلہ افزائی کرے، اور زور و قوت سے دین کی باتوں کو منوائے۔

بادشاہ کا اصرار: یہ سوچ کر میں نے اللہ تعالیٰ سے معذرت چاہی اور عزلت گزینی کو بدین وجہ مرجح سمجھا کہ بحث و مناظرہ سے ان لوگوں پر غالب آنا ممکن نہیں پھر بغیر کسی تحریک خارجی کے بادشاہ کے دل میں خود بخود اس داعیہ نے کروٹ لی۔ اور انہوں نے مجھے حکم دیا کہ خلوت کی پناہ گاہوں سے نکلوں اور نیشاپور جاؤں تاکہ اس ضعف ایمان و عمل کے فتنہ کا سدباب ہو سکے۔ اس حکم پر ان کا اس درجہ اصرار تھا کہ اگر میں اس کی مخالفت کرتا تو اس کو میری وحشت اور بداخلاقی پر محمول کیا جاتا۔ میں نے بھی خیال کیا کہ معذرت و رخصت کا وقت نہیں رہا۔ اب اگر گوشہ نشینی نہیں چھوڑتا ہوں اور اصلاح و ہدایت کا فریضہ انجام نہیں دیتا ہوں تو اس کو سراسر کسل اور آرام طلبی سمجھا جائیگا یا اس کی تہہ میں یہ ڈر پوشیدہ ہوگا کہ عوام کی ناراضی مول لے کر اپنے کو خواہ مخواہ ذلیل کیوں کروں۔ ظاہر ہے کہ یہ دونوں باتیں مناسب نہیں اور پھر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی تو ہے

احسب الناس ان یترکوا ان یقولوا امنا وھم لا یفتنون۔ ولقد فتنا الذین من قبلھم۔ (العنکبوت - ۱)

کیا یہ لوگ اس غلط فہمی میں ہیں کہ ان کو اتنی سی بات پر چھوڑ دیا جائیگا کہ وہ کہدیں کہ ہم ایمان لائے اور انکو آزمائش کی بھٹی میں ڈالا نہیں جائیگا۔ اور ہم ان سے پہلے ایمانداروں کی آزمائش کر چکے ہیں۔

ولقد کذبت رسل من قبلک فصبروا علی ما کذبوا واوذوا حتی اتاھم نصرنا۔ ولا مبدل لکلمات اللہ ولقد جاءک من نبأ المرسلین۔ (الانعام - ۲۴)

جو پیغمبر آپ سے پہلے ہوئے ہیں انکی بھی تو تکذیب ہوئی لیکن انھوں نے اس تکذیب اور ایذا دہی پر صبر کیا۔ یہاں تک کہ ہماری مدد آپہنچی اور کوئی اللہ کے کلمات کو بدلنے والا نہیں اور آپ تک دوسرے انبیاء کی خبر تو پہنچ ہی چکی ہے۔

اہل دل سے مشورہ طلبی: تاہم میں نے چند اہل دل اور ارباب مشاہدہ سے مشورہ کر لینا مناسب سمجھا۔ سب نے یہی کہا کہ عزلت و خلوت کی لذتوں کو ترک کر دینا چاہیئے اور ہدایت کے میدان میں اترنا چاہیئے۔ اس پر مستزاد یہ کہ بہت سے صلحاء نے منامات و کشوف کی بنا پر یہی رائے دی اور کہا کہ ان شاء اللہ یہ اقدام خیر ہی پر منتج ہوگا جیسا کہ اس کا وعدہ ہے کہ وہ ہر صدی کے آغاز پر اپنے دین کی تجدید کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تجدید و احیاء کا فریضہ آپ ہی کے ہاتھوں اس طرح سرانجام پائے۔ ان خیالات کا آنا تھا کہ رجاء کا پہلو استوار ہوگیا اور ان شہادتوں کے پیش نظر یہی قرار پایا کہ بادشاہ کے حکم کو مان لینا چاہیئے۔ تب میں ذی قعدہ ۴۹۹ھ میں اس مہم کی تکمیل کے لئے نیشاپور کے قصد سے چل کھڑا ہوا۔ اتفاق ملاحظہ ہو کہ بغداد سے نکلنے کی بھی یہی تاریخ تھی یعنی ذیقعدہ ۴۸۸ھ۔ اس حساب سے عزلت گزینی کا زمانہ گیارہ برس کے لگ بھگ ہوتا ہے۔ میرا اس طرح خلوت و عزلت کے گوشوں کو ایک دم ترک کر دینا بھی اللہ تعالیٰ کے عجائب مقدرات سے ہے ورنہ یہ کبھی حاشیہ خیال میں بھی نہیں آیا تھا کہ کبھی ایسا بھی ہو سکیگا یہ فیصلہ بالکل اس ڈھنگ کا تھا جیسے بغداد چھوڑ دینا اور تمام طرح کے تعلقات کو منقطع کر دینا۔ اس زمانے میں کبھی وہم نہ گزرا تھا کہ یہ سب واقعات ہونے والے ہیں۔ یہ تو محض اس پروردگار عالم کا کرم ہے جو مقلب القلوب اور احوال و کیفیات پر اثر انداز

ہونے والا ہے، کہ اس نے ارادہ و عزم کی سمتیں اس آسانی سے بدل دیں، اور کیوں نہ ہو، جبکہ ۔

قلب المؤمن بین اصبعین من اصابع الرحمٰن ۔

مومن کا دل اللہ کی انگلیوں میں سے دو انگلیوں کے درمیان ہے ۔

تعلیم و تدریس کے منصب کو دوبارہ اختیار کرنا جذبۂ: یہ واضح رہے کہ میں جانتا ہوں کہ علمی مشغلوں میں دوبارہ پڑنا، اور پھر درس و تدریس کی مسندوں کو سنبھالنا، اس کیفیت سے کہیں مختلف ہے جس کے تحت پہلے ان سب چیزوں سے دستبردار ہوا تھا، کیونکہ پہلے یہ حالت تھی، کہ میں ایسے علم کی نشر و اشاعت میں مصروف تھا، جو جاہ و طمطراق کا موجب ہوتا تھا، اور اب ایسے علم کی طرف رجوع ہو رہا تھا، جو یہ سکھاتا ہے کہ عزت و جاہ کو ترک کیونکر کیا جا سکتا ہے ۔

مجھے اس کا قطعی علم نہیں کہ میں اپنے ارادوں میں کامیاب ہو سکوں گا یا نہیں ۔ ہاں اتنا البتہ یقین ہے، کہ ہر چیز منشا الٰہی کے تابع ہے، اور میرا یہ اقدام، اپنا اقدام نہیں بلکہ اس کے کرم خاص کا نتیجہ ہے ۔ اور میں خود اس فریضہ سے نمٹنے کیلئے آمادہ نہیں ہوا بلکہ اللہ تعالیٰ مجھ سے خصوصیت سے یہ کام لینا چاہتا ہے ۔ اس سے ہر آن یہ دعا ہے کہ میرے اصلاح احوال کے درپے رہے، مجھے راہ راست پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے، تاکہ دوسروں کو بھی ہدایت نصیب ہو، اور مجھے اس بات کی بھی توفیق بخشے کہ میں ہمیشہ حق کو حق سمجھوں اور باطل کو باطل ۔ اور پھر حق کی پیروی میں کوشاں رہوں اور باطل سے اجتناب کروں ۔

افکار غزالی

مصنفہ مولانا محمد حنیف ندوی ۔ اس میں یہ کوشش کی گئی ہے کہ "احیاء العلوم" کی مختصر مگر مستند تلخیص پیش کی جائے ۔ جس میں غزالی کے تمام علمی و اصلاحی افکار کی جھلک موجود ہو ۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ علم اور اس کے حدود کیا ہیں؟ علماء حق یا طالبان آخرت اور علماء سو یا شیفتگان رذائل دنیا میں کیا فرق ہے؟ زندگی کے فقہی انداز میں کیا قباحتیں ہیں؟ مناظرہ و جدل کیوں ناجائز ہے؟ ریا کیا ہے؟ اخلاص کس سے تعبیر ہے؟ اصلاح باطن کیوں ضروری ہے؟ ظاہر و معنی میں کیا ربط ہے؟ اور کہاں کہاں؟ ہم مجبور ہیں کہ الفاظ و ظواہر کے اقتضاء کو چھوڑ کر مغز و معنی اور روح و اصل کی طرف رجوع کریں ۔ اس ڈھنگ کی بیسیوں عارفانہ بحثیں ہیں جو اس کتاب کی وسعتوں میں سمٹ آئی ہیں ۔

قیمت پانچ روپے ۔

ملنے کا پتہ

سکریٹری: ادارۂ ثقافت اسلامیہ ۔ کلب روڈ ۔ لاہور (پاکستان)

مشکلات القرآن
محمد حنیف ندوی

ایک آیت

سیقول السفھآء من الناس ما ولٰھم عن قبلتھم التی کانوا علیھا۔ قل للہ المشرق والمغرب۔ یھدی من یشاء الی صراطٍ مستقیم وکذالک جعلنا کم امۃ وسطاً لتکونوا شھداء علی الناس ۔ ویکون الرسول علیکم شھیداً ۔

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں ہی گے کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے اس سے انکے مڑ جانے کی کیا وجہ ہوئی اے پیغمبر تم یہ جواب دو۔ کہ مشرق و مغرب سب اللہ ہی کا ہے، جس کو چاہتا ہے دین کا سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ اور جس طرح ہم نے تم کو ٹھیک قبلہ بنا دیا ہے، اس طرح ہم نے تم کو بیچ کی امت بھی بنایا ہے۔ تاکہ اور لوگوں کے مقابلہ میں تم گواہ ہو۔ اور تمہارے مقابلہ میں تمہارے رسول گواہ بنیں ۔

قبلہ اوّل اور اس کی تبدیلی کے اسباب

آیت کے پس منظر کو سمجھنے کیلئے ضروری ہے، کہ پہلے واقعات کی ترتیب پر غور کر لیا جائے۔ نماز اسلام میں ایک اہم روحانی و اجتماعی فریضہ ہے، اس میں جہاں قلب و روح کی صحتمندیوں کے متعدد سامان مہیا کئے گئے ہیں۔ وہاں نظام اور ڈسپلن کا بھی بڑا اہتمام کیا گیا ہے۔ امام کا تقرر، اس کی اطاعت و پیروی، صف بندی۔ باقاعدہ تکبیرات اور اعمال و افعال میں یکسانی، یہ سب اسی نظام و ترتیب کا کرشمہ ہیں۔ ایک مسئلہ اسی انداز کا لائق غور یہ تھا کہ نمازوں میں رخ اور سمت کا تعین کس اصول کے مطابق ہو ــــ تاکہ سینکڑوں اور ہزاروں مسلمانوں کی نمازوں میں کہیں بھی عدم ترتیب اور بے تکے پن کا مظاہرہ نہ ہونے پائے ــــ آنحضرتؐ کا ایک اصول یہ تھا کہ جن احکام و مسائل میں کوئی واضح حکم نازل نہ ہوتا، اس میں اہل کتاب کے نذدیق و جذبات کا نسبتہً زیادہ خیال رکھتے۔ نماز وہ ہیں چونکہ اول اول کوئی متعین حکم نازل نہیں ہوا تھا۔ اس لئے اس اصول کے تحت تقریباً سترہ ماہ تک بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھتے رہے ــــ لیکن خیال میں ایک کھٹک ابر موجود رہی، اور وہ یہ ہے کہ اسلام اگرچہ تمام انبیاء کی تصدیق کرتا ہے، سب کو اللہ تعالیٰ کا محبوب اور پیارا رسول ٹھہراتا ہے۔ تاہم تعلیمات اور بالخصوص توحید کی مناسبت سے اس کا تعلق حضرت ابراہیمؑ سے نسبتہً زیادہ ہے، اس لئے نمازوں میں بیت المقدس کے بجائے اگر کعبہ کو قبلہ قرار دیا جائے تو یہ لگاؤ اور وابستگی اچھی طرح اجاگر اور نمایاں ہو جاتی ہے۔

بیت اللہ کی طرف توجہ و التفات کی عنان پھیر دینے اور بنائے ابراہیمؑ کو مرکزی حیثیت دیدینے میں ایک نفسیاتی مصلحت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس طرح مشرکین مکہ اسلام کے زیادہ قریب آ جائینگے اور یہ سمجھنے لگینگے کہ اسلام نے کعبہ کی واجبی حرمت و عزت میں کمی نہیں کی اور اسکی تاریخی مرکزیت کی وجہ سے جو مناصب اور عظیم دنیوی فوائد انکو سالہا سال سے حاصل ہیں۔ ان سے انکو محروم نہیں کیا، گویا اسلام کے پھیلنے سے

انکو جو مالی خطرات لاحق تھے ان کا ایک طرح سے ازالہ ہوگیا ——— ان اسباب و وجوہ کے پیش نظر آنحضرتؐ چاہ رہے تھے کہ تحویل قبلہ کا کوئی حکم نازل ہو ——— آپکی اس آرزو اور چاہت نے اس درجہ شدت اختیار کرلی کہ باربار آپ آسمان کی طرف دیکھتے تھے اللہ سے دعا مانگتے تھے اور متوقع تھے کہ آپکی اس خواہش کا احترام کیا جائیگا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قلب نبوت کی اس بے چینی اور ضمیر رسالت کی اس بے کلی کو بھانپ لیا اور فرمایا: قد نری تقلب وجھک فی السماء۔ اے پیغمبر تحویل قبلہ کے انتظار میں تمہارا منہ پھیر پھیر کر آسمان کی طرف دیکھنا ہم ملاحظہ کر رہے ہیں ——— یہی نہیں بلکہ حکم نازل فرمایا: فلنولینک قبلۃ ترضٰھا۔ سو ہم جو تم قبلہ چاہتے ہو اسی کی طرف پھر جانے کا حکم دینگے۔

قرآن کی اہم خصوصیت شکوک وساوس کا ازالہ یہ آیات حکم کو منوانے دلوں میں اتارنے اور شکوک و شبہات کی خلشوں کو دور کرنے کی غرض سے نازل ہوئیں قرآن حکیم کے احکام و مسائل کی ایک اہم خصوصیت تدریج و تسہیل ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ اس میں کوئی حکم بھی یکایک اور خلافِ توقع نازل نہیں ہوتا بلکہ پہلے طبائع کو اسکی پیروی و اطاعت پر تیار کیا جاتا ہے اس کی اہمیت بیان کی جاتی ہے اور اس سے متعلقہ تمام شکوک کو دور کیا جاتا ہے۔ پھر کہیں جاکر یہ حکم بندوں کی ہدایت و رہنمائی کیلئے زبان نبوت سے ادا ہوتا ہے ——— تحویل قبلہ کا حکم معمولی حکم نہیں تھا کہ ادھر نازل ہوتا اور ادھر قلب و ذہن کی گہرائیوں میں اتر جاتا بلکہ اس کے نزول سے متعدد نوع کے خدشات کے ابھرنے کا اندیشہ تھا اسلئے ضروری تھا کہ پہلے ان اندیشوں کو بیان کیا جائے اور پھر یہ بتایا جائے کہ وہ کس درجہ بے محل اور ناقابل التفات ہیں ———

اس پس منظر کو سامنے رکھئے اور دیکھئے کہ قرآن نے ان ابھرنے والے خدشات و وساوس کا کتنا حکیمانہ جواب مرحمت فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ تحویل قبلہ کا جو حکم ہم دینے والے ہیں اس پر ایک ہنگامہ بپا ہونے والا ہے وہ لوگ جو دین کی روح سے واقف نہیں ہیں اور جنکے نزدیک مذہب صرف لگی بندھی رسوم ہی کا نام ہے اور جو ظواہر سے ہٹ کر باطن اور معنویت کو مدنظر رکھنے والے نہیں۔ اس اقدام پر پکار اٹھیں گے کہ اس کا کیا مقصد ہے جب پہلے سے ایک قبلہ، ایک جہت اور ایک سمت موجود تھی اور اس کا اچھا خاصہ تعلق انبیاء سابقین کے ساتھ مشہور و معروف بھی تھا تو کیا ضرورت تھا ——— کہ اس کو بدلا جائے اور عبادات کیلئے نئی نئی سمتوں اور نئے نئے رخوں کو تلاش کیا جائے؟ یہ اعتراض یہودیوں کی طرف سے پیش ہوا جو سخت ظواہر پرست اور رسمیات کی لکیر پیٹ لکالنے والے تھے۔ قرآن حکیم نے اسکے دو جواب دیئے۔ ایک یہ کہ قبلہ کے تعین ان میں رخ، جہت اور سمت کو براہ راست کوئی دخل نہیں، اللہ تعالیٰ نے شمال کو جنوب پر اور مشرق کو مغرب پر کوئی فضیلت نہیں بخشی کیونکہ اسکے نزدیک سب جہتیں برابر ہیں۔ وہ مشرق کے ساتھ ربوبیت و اختصاص کے وہی تعلقات رکھتا ہے جو مغرب کے ساتھ اور شمال کو اسی انداز سے دیکھتا ہے جس انداز سے جنوب کو۔ اس بنا پر جہت و سمت کی تبدیلی در حقیقت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ اس میں اگر اہمیت ہے تو صرف اس حد تک کہ جب تک اللہ نے چاہا مسلمان بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے اور اللہ قبول فرماتا رہا۔ اب اس کی تشریعی مصلحتوں کا یہ تقاضا ہے کہ ان کا رخ موڑ دیا جائے اور مرکز ابراہیمی کو یہ اعزاز بخشا جائے ——— دوسرا یہ ہے کہ ظواہر و شعائر میں تغیر و تبدل کی حقیقت آسانی سے سمجھ میں آنے والی نہیں اس کیلئے مخصوص مشیت درکار ہے اس دوسرے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اس شبہ کی تہہ میں کوئی بہت ہی بڑی گمراہی پنہاں ہے جس تک ظواہر پر رکنے والوں کی نظریں نہیں پہنچ پاتیں اور جس کے ازالہ کیلئے مخصوص ہدایت و مشیت کی ضرورت ہے۔

یھدی من یشاء الی صراط مستقیم۔ یعنی جس کو چاہتا ہے دین کا سیدھا رستہ دکھاتا ہے۔

شعائر و رسوم کی حیثیت : بات یہ ہے کہ ہر ہر قوم کیلئے کچھ شعائر ہوتے ہیں، کچھ ظواہر اور رسوم ہوتی ہیں جن کی پابندی اس پر لازم ہوتی ہے اور اس التزام و اطاعت سے انکو بے شمار تنظیمی و اجتماعی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی حیثیت یہ نہیں ہوتی کہ فی نفسہ ان میں حرمت و عزت کا کوئی تقاضا پنہاں ہوتا ہے بلکہ ان ظواہر و رسوم کا احترام مبنی ہوتا ہے مشیت حق پر، اس کی تشریعی مصلحتوں پر اور اس نظام پر جس کا کہ یہ جز ہوتی ہیں۔ لیکن مرور زمانہ سے لوگ یہ سمجھنے لگتے ہیں کہ ان ظواہر و رسوم کی پابندی اور ان شعائر کا احترام اس بنا پر ضروری ہے کہ خود ان میں تقدیس کے مخفی پہلو پائے جاتے ہیں جو انسانوں سے اطاعت و احترام کا حتمی مطالبہ کرتے ہیں۔ اس مرحلہ پر انبیاء و مصلحین کے لئے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس غلط فہمی کو دور کریں ـــــ بعینہٖ اسی قسم کا شبہ بیت المقدس کو مرکز عبادت ٹھہرانے سے یہودیوں کے ذہن میں ابھرنے کا اندیشہ تھا۔ یہ یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ شاید یہ جہت فی نفسہٖ متبرک ہے، یا اس رخ میں حقیقتاً کوئی بات ہے اور یہ عمارت اس لائق ہے کہ ماتھے ادھر رگڑیں اور جبینیں اس کو عقیدت و عبادت کا مرکز قرار دیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں، یہ قصہ نہیں۔ ان ظواہر و شعائر میں حرمت و توقیر کا پہلو خود انکے اندر پنہاں نہیں بلکہ اس کا تعلق سراسر ہماری مشیت، ہمارے ارادے اور اختیار سے ہے۔ توحید کا یہی وہ اونچا تصور تھا جس کے تحت حضرت عمرؓ نے حجر اسود کو مخاطب کر کے کہا :

انك حجرٌ لا تنفع ولا تضر ولولا ان رايت رسول الله صلى الله عليه وسلم قبلك ما قبلتك ۔

تو محض ایک بے جان پتھر ہے جو نفع پر قدرت رکھتا ہے نہ ضرر پر، اگر میں نے رسول اللہؐ کو اپنی آنکھوں سے تمہیں بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا، تو کبھی بوسہ نہ دیتا ۔

تحویل قبلہ کے اس سیاق میں جو یہ فرمایا کہ: وكذالك جعلنكم امة وسطاً اسی طرح تم کو بیچ کی امت بھی بنایا ہے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ صرف اس حکم کی خصوصیت نہیں اسلام کا مزاج ہی توازن و اعتدال میں سمویا ہوا ہے ۔ اور مسلمان ایسی ہی قوم سے تعبیر ہیں کہ جن میں نہ تو ظواہر و رسوم سے عیسائیوں اور صابیوں کی طرح بالکل بے نیازی ہے اور نہ یہودیوں کی طرح جمود و تقلید۔ میانہ روی اور توسط ان کا شعار ہے اور اس میں یہ دنیا کی تمام قوموں کیلئے نمونہ ہیں کیونکہ جو رسولؐ انکو بخشا گیا ہے اور جس کی رہنمائی و قیادت کی روشنی میں ان کو آگے بڑھنا ہے۔ اس کی زندگی، اس کے افکار اور اسوۂ حسنہ بجائے خود معقولیت و توازن کا بہترین پیمانہ ہیں ۔

ويكون الرسول عليكم شهيداً ۔

ایک ہمہ گیر گمراہی : اس آیت میں دراصل گمراہ قوموں کی ایک ہمہ گیر گمراہی کی نشاندہی کی گئی ہے وہ یہ کہ دنیا کے مذاہب پر دو ہی قسم کی آفتیں آئی ہیں۔ یا تو یہ افراط کا شکار ہو گئی ہیں یا تفریط کا، اور کسی معتدل نظریۂ حیات کے حق میں یہ دونوں ہی سخت مضر ہیں۔ نہ زیادات و بدعات سے اس کی زندگی میں اضافہ ہوتا ہے اور نہ تفریط سے اس کی روح قائم رہ پاتی ہے۔ کیونکہ خود زیست اور حیات ایک طرح کے توازن کی متقاضی ہے۔ اسلئے جب تک کسی قوم نے اس کو اپنایا اس وقت تک وہ آگے بڑھتی رہی اور ترقی کرتی رہی اور جب توازن و اعتدال کا رشتہ ہاتھ سے چھوٹا یہ ہلاکت و بربادی کی اتھاہ گہرائیوں میں جا گری ۔۔